کا حکم نہیں فرما سکتے۔ اور بعض اہل تاریخ نے کہا ہے کہ فتح مکہ کے سال نسیئہ کے تحت حج ذوالقعدہ میں منعقد ہوا۔ پس ۹ ھ کو حج ذوالحجہ میں ہی منعقد ہوا۔ [مرعاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح ۶/۲۹۰]

{2} مشرکین کا ننگا طواف کرنا شرعی عذر ہوتا تو اس سال صحابہ ؓ کو صدیق ؓ کے ساتھ حج پر نہ بھیجا جاتا۔ اگر یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے عذر ہوتا تو صحابہ کرام ؓ ذوالقعدہ میں مکہ سے باہر سفر نہ کرتے؛ بلکہ حج کے لیے ٹھہرتے۔

{3} یوم عرفہ کے ساتھ جمعہ یا ادیانِ عالم کی عیدوں کا اجتماع ایسا شرعی سبب نہیں ہو سکتا، جس کی خاطر حج کی ادائیگی میں تأخیر کی جاسکے۔ جبکہ حج دوبارہ کیا جاسکتا تھا۔

{4} بیانِ جواز کے لیے بلا عذرِ شرعی تأخیر اختلافی نکتہ ہے، لہٰذا یہ دعویٰ متنازعہ ہے، جو کہ دلیل نہیں بن سکتا۔

{5} اگر رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی کے ذریعے اگلے سال تک زندگی پانے کو جانتے تھے، تو یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔ صحابہ کرام ؓ کو تو فوراً فریضہ حج ادا کرنا چاہیے تھا۔

ترجیح: رسول اللہ ﷺ نے صاف الفاظ میں حج کی ادائیگی میں جلدی کرنے کا حکم دے کر سبب بیان فرمایا ہے کہ کسی ناگہانی آفت اور جسمانی یا مالی رکاوٹ کی آمد سے پہلے اس فرض کو ادا کرنا ضروری ہے۔

حج استطاعت کے پہلے سال ہی ادا کرنا متعین طور پر فرض نہیں ہے، بلکہ کسی غیر شرعی عذر سے بھی ایک مناسب وقت تک تأخیر کرنے کا جواز ہے؛ کیونکہ فرضیت حج ۱۰ھ سے قبل ثابت ہونے کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تأخیر کی کوئی قابل اتباع وجہ نہیں ملتی۔ واللہ اعلم

تنبیہ: اس دور میں بہت سے مالدار لوگ تأخیر کرکے اس اہم فریضے کو اگلے سالوں تک ٹرخاتے رہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ فی الحال "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کے ابلیسی فارمولے پر چلتے رہیں گے، پھر آخر عمر میں حج کرلیں گے، جب جسم میں گناہ کی سکت ہی نہ رہے۔ بہت سے لوگ یہی باطل سوچ لے کر مر جاتے اور فریضہ حج میں کوتاہی کے مرتکب ہو کر اللہ کے حضور حساب کے لیے پیش ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کو عملاً آخری عمر میں "حج کا سفر" میسر ہو جاتا ہے؛ لیکن ضعیفی کی وجہ سے یہ فرض صحیح طرح ادا نہیں کرسکتے۔

پھر ہر مسلمان کو یہ حقیقت ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ گناہ کی سکت ختم ہو جانے کے بعد توبہ کا تصور بالکل بودا ہوتا ہے۔ کیونکہ شریعت میں توبہ کی فرضیت کا مقصد زندگی کا رخ عملاً بدلنا اور مستقبل کے لیے استقامت کا پختہ عزم کرانا ہے۔

حکمت تعلیم قسط:(۳) جناب عبداللہ ایوب

تعلیم و آگہی

۲۔ عقلی علم Ratonal Knowledge

قرآن مجید بار بار اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ مظاہر قدرت پر غور و فکر کیا جائے اور شعور کو استعمال میں لا کر اس کائنات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ:"یہ لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔"[النساء:۸۲] عقلی علم کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے،مگر صرف اس کی بنیاد پر زندگی کے تمام مسائل کو حل نہیں کیا جا سکتا۔اس کو فکری، قیاسی اور برہانی علم بھی کہا جاتا ہے۔یہ علم فکر،دلیل اور حکمت کی پیداوار ہے۔منطق ،ریاضی اور فلسفہ کے عام اصول عقلی علم کی مثالیں ہیں۔یہ علم خالصتاً غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

۳۔ وجدانی علم☆ Intuitive Knowledge

وجدانی علم سے مراد وہ حقائق اور معلومات ہیں، جو انسان کے لاشعور میں اچانک وارد ہو جائیں۔اس کے پیچھے ایک لاشعوری کوشش ہوتی ہے، جو عرصے تک انسانی شعور میں پرورش پاتی ہے۔پھر کبھی کبھار "وجدان" کی صورت میں شعورِ انسانی میں آ جاتی ہے۔ہر وجدانی علم کسی مسئلے کا حل ہوتا ہے۔بعض لوگوں نے اس کے لیے اس کلام الٰہی سے استدلال کیا ہے:

ترجمہ:"حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"[الحج:٤٦]

فلسفیانہ دعوے،سائنسی نظریات اور ادب و آرٹ کے عظیم شہکار بنی نوع انسان کی وجدانی صلاحیتوں کے آئینہ دار ہیں۔☆

۴۔ اسنادی علم Authoritative Knowledge

یہ وہ علم ہوتا ہے جو ماہرین، محققین ،فلاسفر،مفکرین اور عظیم دانشوروں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جنھوں نے علمی اور ادبی میدانوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہوتا ہے۔اس علم کی بنیاد انسان کے ذاتی تجربہ کی بجائے شہادت یا سند پر ہوتی ہے۔اسناد میں ہمارے آباء و اجداد کے تجربات ،مشاہدات اور روایات شامل ہیں۔اسنادی علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقل سلیم اور اسلامی اقدار و روایات سے ہم آہنگ ہو۔ہمارا بیشتر علم (خاص طور پر دینی علم) ذاتی حواس

☆ نام نہاد "وجدانی علم" دراصل "عقلی علم" ہی ہے ؛ یہ فرق صرف لفظی ہے۔(ابو محمد)